تذکرہ
اولیائے
لاہور

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 004205
MAILSI

کتاب انسان کی
بہترین دوست ہے

مکتبہ ماحول

922
19 تذ کا

آپ کے لئے معیاری
حیات افروز اور خوبصورت
کتابیں شائع کرتا ہے

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

تذکرہ اولیائے لاہور

محمد وارث کامل (مرحوم)

مکتبہ ماحول ۹۔ بہادر شاہ مارکیٹ بندر روڈ۔ کراچی

پاکستان —— میں اس کتاب کے دائمی حقوق انور عارف
مالک "مکتبہ ماحول" کراچی کے نام محفوظ ہیں۔
ہندستان —— میں اس کتاب کے جملہ حقوق
"علوی بکڈپو" بمبئی کے نام محفوظ ہیں
طابع —— ایجوکیشنل پریس ۔ کراچی

پہلی بار —————— جون ۱۹۶۳ء
قیمت —————— چھ روپے

فہرست

مقدمہ لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید ۱۱
افتتاحیہ مولانا محمد وارث کامل (مرحوم) ۳۳
۱ حضرت شیخ اسمٰعیل بخاریؒ ۶۹
۲ حضرت میر حسن زنجانیؒ ۷۲
۳ شیخ حسام الدین لاہوریؒ ۷۹
۴ حضرت داتا گنج بخشؒ ۸۳
۵ حضرت میاں میرؒ ۱۱۲
۶ حضرت ملا شاہؒ ۱۴۰
۷ حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؒ (المعروف بہ میاں کلاں یا میاں وڈاؒ) ۱۴۱
۸ حضرت لال حسینؒ ۱۵۷
۹ حضرت شیخ محمد طاہر بندگیؒ ۲۰۲
۱۰ حضرت شاہ جمال سہروردیؒ ۲۰۸
۱۱ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ ۲۱۲
۱۲ حضرت شاہ چراغؒ ۲۱۵
۱۳ میراں محمد شاہ بخاریؒ ۲۱۷
۱۴ حضرت شاہ محمد غوثؒ ۲۲۱

۱۵	حضرت شاہ بلاول رح	۲۲۴
۱۶	حضرت سید جان محمد حضوری رح	۲۲۶
۱۷	حضرت شیخ عزیز الدین مکی رح	۲۳۱
۱۸	حضرت شاہ یعقوب زنجانی رح صدر دیوان	۲۳۳
۱۹	حضرت ایشاں رح	۲۳۵
۲۰	حضرت میراں شاہ رح	۲۳۸
۲۱	حضرت شیخ حسن کمجد (المشہور حسو تیلی) رح	۲۴۰
۲۲	حضرت شیخ موسیٰ آہنگر رح	۲۴۲
۲۳	قطب عالم حضرت شیخ عبد الجلیل جوہر بندگی رح	۲۴۵
۲۴	شاہ عبد اللہ شاہ بلوچ قادری رح	۲۴۹
۲۵	بی بی پاک داماں	۲۵۴
۲۶	حضرت خواجہ بہاری رح	۲۵۷
۲۷	حضرت شاہ رستم غازی رح	۲۵۷
۲۸	حضرت شاہ فیروز گیلانی رح	۲۵۸
۲۹	حضرت میاں تنھا قادری رح	۲۵۸
۳۰	حضرت شاہ کاکو چشتی رح	۲۶۱
۳۱	حضرت شاہ سر زبانی المشہور شاہ سروانی رح	۲۶۲
۳۲	حضرت سیلانی شاہ رح	۲۶۳
۳۳	حضرت جلیے شاہ رح	۲۶۴
۳۴	حضرت تاجے شاہ رح	۲۶۵
۳۵	حضرت سید عبد الرزاق مکی رح	۲۶۵
۳۶	حضرت محمد سعید لاہوری رح	۲۶۷

۳۷	حضرت شیخ اشرف رح	۲۶۹
۳۸	حضرت عبدالقادر المشہور شاہ گدا گیلانی رح	۲۷۳
۳۹	حضرت شیخ محترم رح	۲۷۳
۴۰	حضرت حاجی جمعیت رح قدم رسول	۲۷۵
۴۱	حضرت فضل شاہ رح	۲۷۶
۴۲	حضرت شاہ کنتھو رح	۲۷۷
۴۳	حضرت سید بہاول شاہ گیلانی رح	۲۷۷
۴۴	حضرت شاہ مقیم رح	۲۷۸
۴۵	حضرت پیر زہدی رح	۲۷۹
۴۶	حضرت علاوف چشتی رح	۲۷۹
۴۷	حضرت سید چراغ شاہ چشتی سبزواری رح	۲۷۹
۴۸	حضرت شیخ سعدی بلخاری رح	۲۸۰
۴۹	حضرت پیر برہان رح	۲۸۱
۵۰	حضرت ماہی شاہ رح	۲۸۲
۵۱	حضرت شاہ رحمت اللہ قریشی رح	۲۸۲
۵۲	حضرت الف شاہ رح	۲۸۳
۵۳	حضرت فتح شاہ سرمست رح	۲۸۳
۵۴	حضرت شاہ ابوتراب۔ المشہور شاہ گدا رح	۲۸۵
۵۵	حضرت سید محمود قصوری	۲۸۶
۵۶	حضرت سید عبدالقادر گیلانی لاہوری رح	۲۸۷
۵۷	حضرت سید اسمٰعیل گیلانی رح	۲۸۷
۵۸	حضرت میر میراں بن سید مبارک حقانی گیلانی رح	۲۸۸

۵۹ حضرت سید شاہ نور حضوری رح ۲۸۹
۶۰ حضرت سید صوفی بن سید بدرالدین سید اسمٰعیل گیلانی رح ۲۸۹
۶۱ حضرت سید جیون المشہور بسید عبدالقادر ثالث گیلانی رح ۲۸۹
۶۲ حضرت سید عبدالوہاب گیلانی رح ۲۹۰
۶۳ حضرت حاجی محمد ہاشم گیلانی رح ۲۹۰
۶۴ حضرت سید سرور دین حضوری لاہوری رح ۲۹۱
۶۵ حضرت سید جعفر بن حاجی محمد ہاشم بن صوفی علی گیلانی رح ۲۹۱
۶۶ حضرت سید محمد فاضل متوکل بن سید محمد ہاشم گیلانی رح ۲۹۲
۶۷ حضرت سید عمر گیلانی رح ۲۹۳
۶۸ حضرت سید بدرالدین گیلانی رح ۲۹۴
۶۹ حضرت سید عبدالوہاب بن سید سرور دین بن جان محمد حضوری رح ۲۹۴
۷۰ حضرت سید عبدالحکیم رح ۲۹۴
۷۱ حضرت شاہ فرید رح ۲۹۵
۷۲ حضرت سید شہر رح ۲۹۶
۷۳ حضرت سکندر شاہ رح ۲۹۶
۷۴ حضرت شیخ محمد حفیظ المشہور چھولن شاہ رح ۲۹۶
۷۵ حضرت پیر غازی المشہور غیب رح ۲۹۷
۷۶ حضرت نظام شاہ مجذوب رح ۲۹۸
۷۷ حضرت پیر ہادی رہنما رح ۲۹۸
۷۸ حضرت شاہ درگاہی رح ۲۹۹
۷۹ حضرت پیر سراج الدین المشہور پیر سراجی رح (شیرازی) ۲۹۹
۸۰ حضرت موسیٰ کھوکھر رح ۳۰۱

۸۱ میر عبداللہ شاہ گیلانیؒ المشہور پیر روڑاں والا ۳۰۱

۸۲ حضرت شاہ مسکین امریؒ المشہور پیر غیری ۳۰۱

۸۳ حضرت نظام الدین چشتیؒ المشہور پیر مہکا ۳۰۲

۸۴ حضرت سیّد سربلندؒ ۳۰۳

۸۵ حضرت پیر ذکیؒ ۳۰۳

۸۶ حضرت پیر بلخیؒ ۳۰۳

۸۷ حضرت سیّد صوف لاہوریؒ ۳۰۴

۸۸ حضرت شیخ محمد سلطان لاہوریؒ ۳۰۴

۸۹ حضرت شیخ مصاحب خاں خود لاہوریؒ ۳۰۵

۹۰ حضرت شیخ جان محمد قادریؒ ۳۰۵

۹۱ حضرت شاہ سردار قادریؒ ۳۰۷

۹۲ حضرت سیّد علی شاہ قادریؒ ۳۰۸

۹۳ حضرت شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوریؒ ۳۰۹

۹۴ حضرت شیخ جان اللہ لاہوریؒ ۳۰۹

۹۵ حضرت شیخ حاجی عبدالکریم چشتی لاہوریؒ ۳۱۱

۹۶ حضرت شیخ عبدالخالق لاہوریؒ چشتی صابری ۳۱۴

۹۷ حضرت شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوریؒ ۳۱۴

۹۸ حضرت محمد صدیق چشتی صابریؒ ۳۱۵

۹۹ حضرت شیخ خیر الدینؒ المشہور خیر شاہ لاہور ۳۱۶

۱۰۰ حضرت شیخ فیض بخش لاہوریؒ ۳۱۶

۱۰۱ حضرت سید زندہ علیؒ بن سیّد الرحیم بن صفا الدینؒ
بن میراں شاہ موج دریا ۳۱۸

۱۰۲	حضرت شیخ شاہ مراد قریشی لاہوری رح	۳۱۹
۱۰۳	حضرت سید احمد توختہ ترمذی رح	۳۱۹
۱۰۴	حضرت سید مٹھ لاہوری رح	۳۲۰
۱۰۵	حضرت خواجہ ایوب قریشی رح	۳۲۱
۱۰۶	حضرت شاہ حسین بن سید عبدالقادر بن سید حمید لاہوری رح	۲۲۳
۱۰۷	حضرت سید عبدالکریم المشہور پیر بہاون شاہ بن سید شاہ بلاق رح	۳۲۴
۱۰۸	حضرت مفتی رحیم اللہ بن مفتی رحمت اللہ قریشی رح	۳۲۶
۱۰۹	حضرت مولانا غلام رسول فاضل لاہوری رح	۳۲۷
۱۱۰	حضرت لدھے شاہ سوئیہ ساز رح	۳۲۷
۱۱۱	حضرت حامد قادری رح	۳۳۰
۱۱۲	حضرت شاہ شمس الدین قادری رح	۳۳۰
۱۱۳	حضرت شاہ ابواسحاق قادری رح	۳۳۰
۱۱۴	حضرت سید کامل شاہ رح	۳۳۱
۱۱۵	حضرت شاہ رضا قادری رح	۳۳۱
۱۱۶	حضرت ملا شاہ رح	۳۳۲
۱۱۷	حضرت عادل شاہ المشہور نتھو گیانی رح	۳۳۳
۱۱۸	حضرت سید شادی شاہ رح قادری لاہوری	۳۳۳
۱۱۹	حضرت سید محمد یعقوب گیانی رح	۳۳۴
۱۲۰	حضرت شاہ عنایت قادری رح	۳۳۵

بسم اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم ٥

مقدمہ

از

لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرّشید

انسان اور حیوان میں جو فرق امتیاز ٹھہرایا گیا ہے وہ انسان میں علم کا عطیہ ہے۔ عقل دونوں میں مشترک ہے۔ ان دونوں کے فہم و تفہیم میں یہ ایک بڑی رکاوٹ ہے جو اللہ تعالےٰ نے ان کی فطرت میں ودیعت کردی ہے۔ عقل کے لغوی معنیٰ اس لئے روکاوٹ کے قرار پائے ہیں۔ عربی میں گائے، بیل اور اونٹ کی پچھاڑی کو عقل کہتے ہیں۔ اسی طرح پہاڑوں میں جو روکاوٹ نقل و حرکت کے لئے ودّے پیدا کرتے ہیں اس کو مَعقِل کہا جاتا ہے اسی بنا پر اس رکاوٹ کو جو چیز دور کرتی ہے وہ علم کہلاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلافت کی ذمہ داری انسان کے سر سونپی تو اس کو علم کے عطیے سے سرفراز فرمایا۔ یہ علم الاشیاء تھا۔ (CONCEPTUAL KNOWLEDGE) عقل حیوانات میں بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن سے ایسی حرکات کا صدور ہوتا ہے جس میں مماثلت کا

عمل دیکھتے ہیں۔ مثلاً آگ سے بچنا، یا پانی سے ڈرنا۔ کُتّے کے آگے آپ گرم گرم دودھ رکھئے تو وہ اُس کو سنبھل سنبھل کر اور رُک رُک کر پئے گا۔ گویا رکاوٹ عقل ہی کی وجہ سے ہے۔ یہ عقل اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ مخلوقات کو راہ اعتدال پر لایا جائے۔ گویا یہ عقل ایک قسم کا تقویٰ ہے۔ اور مخلوقات کو احتیاط سکھاتا ہے کہ بچ کر قدم اٹھائے۔ اور بچ کر چلنے ہی کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔ مگر انسان چونکہ اللہ تعالےٰ کی ایک اعلیٰ مخلوق ہے اور اس کو خلافت کی ذمہ داری دے دی گئی ہے ضروری تھا کہ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے سامان کر دیا جاتا۔ چنانچہ خالق کائنات نے انسان کو علم بخشا تاکہ اس کی مدد سے رکاوٹیں ضرورت کے مطابق دُور کر سکے۔ گویا علم عبوری شے ہے! اب چونکہ تخلیق کا تقاضا یہ تھا کہ ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے جائیں تاکہ قانون زوجین نافذ کر کے ارتقاء کا اہتمام کیا جائے۔ اس لئے علم کے بھی دو پہلو بنا دیئے گئے۔ ایک ان میں علم عامیانہ کہلایا (EXOTERIC KNOWLEDGE) اور دوسرا علم محرمانہ کہلایا۔ (ESOTERIC KNOWLEDGE) آپ ان کو بالاترتیب مادی اور روحانی علم بھی کہہ سکتے ہیں یا علم ظاہر اور علم باطن بھی۔ علم عامیانہ مادی علم ہوتا ہے اور علم محرمانہ، روحانی علم۔ یہ تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ حیات (LIFE) کے اندر مادہ اور روح کی پرورش ضروری ہے اور یہ ہر دو علم اس لئے سکھائے گئے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کو پہچان سکے۔ دونوں قسم کے علوم کی نوعیت تجرباتی ہے اور یہ دونوں علوم خاص طبقوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ علم محرمانہ طبقہ اولیاء کے ساتھ مخصوص ہوا۔ چونکہ یہ عامیانہ نہیں

عوام اس کا صحیح مقام نہ سمجھ پائے. یہی روحانی علم جسکو ہم نے علم محرمانہ کہا ہے علم تصوف کہلاتا ہے علم تصوف کی بہت سی تشریحات کی جاچکی ہیں چنانچہ کتاب زیر نظر میں بھی اس پر مدلل بحث موجود ہے مگر اس تمام بحث کا لب و لباب یہ ہے کہ علم تصوف کا مقتضا اور منتہا یہی ہے کہ وہ تصفیہ قلب کرے یہی اس کی اہمیت ہے اور یہی اصل تشریح ۔ تصفیہ قلب ہی ایک ایسا عمل ہے جو روحانی دنیا کا دروازہ کھولتا ہے مختصر یہ کہ تصوف ایک علم محرمانہ ہے جو تصفیہ قلب کا موجب ہوتا ہے ۔ اور یہ خاص خاص لوگوں کے ساتھ وابسطہ ہے جن کو اولیاء کہا جاتا ہے لفظ اولیاء اور صوفیا میں ایک فرق یہ ہے کہ اولیاء قرآنی اصطلاح ہے اور ہر اللہ کے دوست کو ولی کہا گیا ہے جس کے دل سے ماسوا اللہ تعالیٰ کے سب کا خوف نکل چکا ہو ۔ صوفیا ایک غیر اسلامی اصلاح ہے اور ہر کوئی جو علم محرمانہ میں دخل رکھتا ہے صوفی کہلا سکتا ہے ۔ یہ روحانی علم جو خاص اسلامی عمل اور طریقوں سے پیدا ہوتا ہے اس کو علم تصوف کہا جاتا ہے اور اس پر عمل کرنے والا جب تمام مدارج طے کرے گا تو اس کا قلب مصفے ہو کر ہر قسم کے واردات قبول کرنے کے قابل ہو جائے گا ایسا عامل ولی کہلائے گا نہ کہ صوفی ! بظاہر یہ تحریر العقول بات معلوم ہوتی ہے ۔ مگر ہے یہ صحیح ! اس لئے یہ کتاب جس کو قابل مصنف نے "تذکرہ اولیائے لاہور" کے نام سے منسوب کیا ہے تو اس کا نام صحیح تجویز کیا ہے ۔ یہ کتاب اس طبقہ کے حضرات کے سوانح حیات پر مشتمل ہے جنہوں نے اسلامی روحانی اصولوں پر عمل کر کے دین کو ترقی دی

اور اپنے عمل سے غیر مسلموں کو مرعوب کیا۔ اور وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ انہوں نے روحانیات کے ماہر پیدا نہیں کئے بلکہ دین اسلام کے ماہر پیدا کئے اسلام میں تصوف شریعت سے باہر نہیں۔ روحانیت کے لئے کسی شریعت کی ضرورت نہیں ہوا کرتی ع روحانیاں را مذہب و ملت جدا ست!

اولیائے کرام کی اسلامی خدمات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا بلکہ اگر ہم یہ کہدیں کہ اسلام کا تمام تر عروج و وقار اولیائے کرام ہی کی وجہ سے ہے تو ہم حق بجانب ہوں گے اسلام میں علوم عامیانہ کے ماہر بھی لاتعداد گزرے ہیں مگر یہ دنیاوی ترقی کا باعث تھے۔ انہوں نے مذہب اسلام کا روحانی وقار نہیں بڑھایا

اس موضوع پر گزشتہ ایک دو برس میں چند ایک عمدہ کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ ان میں ایک کتاب مولانا اعجاز الحق قدوسی صاحب کا تذکرہ صوفیائے پنجاب ہے اور دوسری محمد لطیف ملک صاحب کی اولیائے لاہور۔ اب یہ تیسری کتاب مولانا محمد وارث کامل مرحوم کا "تذکرہ اولیائے لاہور" شائع ہو رہا ہے۔ درحقیقت یہ تینوں کتابیں علم تصوف کے موضوع پر کوئی نئی تحقیق پیش نہیں کرتیں۔ البتہ اولیائے کرام کی سوانح حیات مختلف ماخذوں سے لے کر از سر نو ترتیب دے دیئے گئے ہیں۔ ایسا کرنے میں مصنفین کو یقیناً بہت زیادہ محنت کرنا پڑی ہوگی کیونکہ حالات کو یکجا کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ خصوصاً ان بزرگوں کے حالات میں جو کمی محسوس ہو رہی تھی اس کو پورا کر دیا گیا ہے اور اعتدال پر لے آیا گیا ہے۔ ماخذ تینوں کتابوں کے تقریباً ایک سے ہی ہیں۔ ان تینوں میں محمد لطیف ملک صاحب کی اولیائے لاہور

مختصر ترین ہے۔ باقی دونوں تفصیلی ہیں۔ کتاب زیر نظر جامع ہے مقابلۃً خصوصاً جب کہ اس کا احاطہ تحقیق صرف لاہور تک محدود ہے۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب تمام صوبہ پر حاوی ہے۔

تذکرہ اولیائے لاہور کی ترتیب میں مصنف نے لاہور کی پوری مذہبی علمی اور ادبی تاریخ مرتب کر دی ہے۔ بادشاہوں کے حالات اور دیگر واقعات کا بیان جو لاہور شہر سے متعلق تھے سب کو یکجا کر دیا ہے۔ مولانا وارث نے ۱۲۰۔ اولیائے کرام کا حال بیان کیا ہے۔ ان ناموں کو یکجا کرنے میں انہوں نے یقیناً بہت زحمت اٹھائی ہوگی۔ کیوں کہ اتنے نام کسی ایک تذکرہ میں بھی نہیں ملتے۔ صاحب تذکرہ صوفیائے پنجاب نے صرف ۹۶ نام گنوائے ہیں۔ حالانکہ اس میں تمام پنجاب کے صوفیا کا ذکر ہے بیشتر اولیائے لاہور سے وابستہ تھے۔ مگر بہت تھوڑوں کا ذکر ہو پایا ہے۔ محمد لطیف ملک نے اولیائے لاہور میں صرف ۵۹۔ اولیاء کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مولانا محمد وارث کامل کا کارنامہ بڑا مفصل اور جامع ہے اور اکمل بھی۔ اور مصنف کی یہ کوشش لائق تحسین ہے مصنف کو ایسا عمدہ مواد اکٹھا کرنے میں بڑی تگ و دو کرنا پڑی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور انہی اولیائے کرام کا قرب جنت میں نصیب فرمائے (آمین) چونکہ موضوع ایک ہی ہے ان تینوں کتابوں کا مواد ملتا جلتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے بچنا محال تھا۔ زیر نظر کتاب کو بہر حال باقی دونوں پر فوقیت حاصل ہے کہ ان سے پہلے لکھی گئی اگر اللہ تعالےٰ نے مولانا وارث کو حیات بخشی ہوتی تو شاید یہ بہت پہلے شائع ہو چکی ہوتی اس

کتاب کی ایک خصوصیت جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے کتاب کی ترتیب میں جن ماخذوں کا حوالہ دیا ہے ان کے علاوہ انہوں نے چند ایک اور مشہور کتابوں کی طرف بھی رجوع کیا ہے جو علم تصوف سے متعلق ہیں۔ دوسری کتابوں میں یہ چیز نہیں ملتی۔ اس لحاظ سے یہ کتاب زیادہ مستند ہے۔ مصنف نے اولیائے کرام کی تعلیمات پر مفصل تبصرے کئے ہیں اور جن جن لوگوں نے ان بزرگوں کے متعلق اپنی نظم و نثر میں عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اس تذکرہ کی اہمیت چنانچہ اور بھی بڑھ گئی ہے۔

مولانا وارث کامل مرحوم ایک سلجھے ہوئے ادیب اور صحافی تھے۔ آپ کی نظر علوم اسلامیہ پر بڑی وسیع تھی۔ انہوں نے اس کتاب میں صرف حوالہ ہی نقل نہیں کئے بلکہ اپنی ذاتی رائے سے بھی عبارت کو جا بجا مزین کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک پُر مغز افتتاحیہ ہے جس سے ان کی نظر علم تصوف پر بڑی گہری معلوم ہوتی ہے۔

مادھو لال حسین کے ذکر میں انہوں نے چند ایک باتیں شاہد بازی اور شریعت کے احترام میں بڑی پتہ کی لکھی ہیں جو بڑی غور طلب ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف اولیاء کے حالات ہی قلمبند کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان کے اعمال و اقوال پر بھی یکساں روشنی ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے اسرار و رموز پر مولانا وارث کامل نے کافی بحث کی ہے اور یہ بڑی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اولیائے کرام ہمیشہ سے اخفائے اسرار کے قائل رہے ہیں اور افشائے سرِّ ربوبیت کو کفر مانتے تھے۔ اس لئے مولانا وارث کا یہ کہنا کہ یہ تمام اشارے اور کنائے جو انہوں نے اظہار واردات کے لئے اختیار کئے ہیں جائز ہیں اور مناسب تھے، بالکل درست ہے۔ راہِ سلوک میں افشائے سرِّ ربوبیت کفر کے مترادف ہوتا ہے اس کی ایک وجہ جو ہماری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کا راز فاش کر دیں تو دوسری مرتبہ وہ آپ پر اعتماد کر کے پھر کچھ اور نہیں بتائے گا۔ اور پھر جب خود اللہ تعالیٰ آپ پر اعتماد کر کے اپنا کوئی راز کھول دیں تو وہ کس طرح دوبارہ آپ پر اعتماد کر کے آپ کو کچھ اور بتائیں گے؟ یہی ایک بات ہے جو راہِ سلوک میں کچھ پیچیدگی پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ اولیائے کرام پر واردات بھی ہوتے ہیں اور ان کو اخفا بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر حالتِ جذب و شوق میں وہ انہیں اشاروں میں بیان بھی کر جاتے ہیں مگر عوام ان کو بخوبی سمجھ نہیں پاتے۔ ہر شخص اپنے فہم کے مطابق ان کی تشریح کرتا ہے اور یہ اکثر غلط فہمی کا موجب بن جاتا ہے۔ مولانا وارث کامل نے اس ضمن میں جن مباحث کا آغاز کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔

مصنف نے شدہ شدہ خیالات علمِ تصوف پر بھی ظاہر کئے ہیں ہم چاہتے ہیں کچھ تھوڑا بہت اپنے فہم کے مطابق اظہارِ خیال یہاں کر دیں۔ جیسا کہ اس مقدمہ کے شروع میں نظر سے گزر چکا ہوگا۔ ہم نے چند سطور علمِ تصوف کی تشریح میں لکھی ہیں۔ اب اس ضمن میں کچھ اور تفصیل ضروری سمجھتے ہیں۔

اس کارخانۂ قدرت کو وجود میں لانے کا باعث یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہتے تھے جو ایک مقولے کے مطابق ایک چھپے ہوئے

خزانے کی مانند تھا۔ اس غرض سے اس نے حضرت انسان کو تخلیق کیا اور اس کو علم سے سرفراز تاکہ تحقیق و تجسس کے بعد وہ اپنے خالق کو پہچانے بمقصد تو اس کا یہ تھا کہ مجھے پہچانو مگر حضرت انسان نے یہ مقولہ گھڑ لیا کہ نہیں پہلے خود اپنے کو پہچانو! تاکہ تم اپنے رب کو پہچان سکو۔ اس ذاتی جستجو میں انسان نے ہزاروں برس گزار دئے اور اپنے ہی بت بنا کر پوجتا رہا۔ اور حقیقی طور پر اس نے اپنے رب کو پہچاننے کی کوشش نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں یہ کھول کر بتایا کہ کائنات قدرت کا مشاہدہ کرو اور اس پر تفکر، تدبر اور تعقل کرو تاکہ تمہیں خالق کائنات کی تخلیقی قوت کا ادراک ہو سکے۔ اس کائنات کے اندر جو قوانین نافذ ہیں ان کو سمجھنے کے لئے انسان کو علم عامیانہ عطا کیا گیا۔ پھر یہ بھی بتا دیا کہ اس کائنات سے خود تم کوئی علاحدہ شے نہیں ہو۔ لہذا اپنے پر بھی غور کرو۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ یہ علم محرمانہ کا آغاز تھا۔ گویا خارجی اور داخلی حقائق کا مطالعہ ہی صحیح علم تھا۔ انسان خود کائنات کا ایک حصہ ہے بلکہ ایک ذرہ ہے۔ چنانچہ ان تمام ذرات کا علم ہی حقیقی علم ہے جو اس کائنات میں بکھرے پڑے ہیں۔ آپ اسے یوں تصور کیجئے جس طرح ایک شہر میں رہتے ہیں اور آپ کو اپنے گھر کا بخوبی علم ہے کہ کون سا کمرہ کہاں ہے اور اس میں کیا سامان رکھا ہے۔ مگر آپ کو شہر کے گلی کوچوں سے مطلقاً واقفیت نہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کا علم اپنے شہر سے متعلق ناقص ہے محض اپنا گھر جان لینا شہر کے علم کے مترادف نہیں۔ البتہ اگر آپ کو شہر کے گلی کوچوں سے واقفیت ہے اور آپ اس کے حدود اربعہ سے بھی واقف ہیں

اور ساتھ ہی اپنے گھر کا بھی مکمل علم رکھتے ہیں تو آپ کا علم مکمل ہوگا۔ اسی طرح جب تک آپ کو پوری کائنات کا علم نہ ہوگا آپ اس میں اپنا مقام تعین نہیں کر سکتے اور کائنات کا علم ہونے سے یہ مراد ہے کہ اپنی دنیا کی طرح جس میں کہ انسان آباد ہے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اور بھی دنیا ئیں موجود ہیں جن کے اپنے اپنے نظام شمسی ہیں اور ہر ایک کا نظام علاحدہ ہے اور ایسی دنیائیں لاتعداد ہیں۔ مجموعی طور پر اس کو کائنات (Cosmos) کہا جاتا ہے۔ فقط انسان کے متعلق معلومات حاصل کر لینا کافی نہیں اس علم کائنات کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے وجود میں بلندی آئے اور وہ زمان و مکان کی قید سے نکل کر بالائی حدود میں رسائی حاصل کرے۔ جب انسان کو مجموعی علم کا صحیح ادراک ہوگا تو اس کارخانہ قدرت میں اس کو مشئیت الہی کی ایک عجیب شان کارفرما اور جلوہ گر ہوتی ہوئی نظر آئے گی۔ اور ہمیں ہمارے خالق حقیقی کی ہستی کا ادراک ہوگا

ذرا غور فرمائیے کہ ہمارے ہاں مختلف قسم کے آلات ایجاد کئے جاتے ہیں کہ مختلف حقائق کی پیمائش کی جائے۔ اسی طرح ہماری اس دنیا اور اس کے نظام شمسی کے مابین حقائق کی پیمائش کے لئے حیات (LIFE) کا پیمانہ اللہ تعالیٰ نے جو تخلیق فرمایا ہے۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت انسان ہے۔ گویا انسان ہی ایک ایسا آلہ ہے جس سے حقائق کی پیمائش ہو سکتی ہے۔ یہی آلہ قدرت جس کو ہم نے انسان کے نام سے منسوب کیا ہے۔ جب حرکت میں آتا ہے تو آسمان تک کے تارے بھی توڑ لاتا ہے۔ اور اگر اپنی طاقتوں کو صحیح طور پر استعمال میں لائے تو علم تصوف کی بھی ایجاد کر لیتا ہے جس سے ورا الوریٰ کی خبر لانے کے قابل

ہو جاتا ہے۔ علم تصوف کے ذریعہ یہ اپنے قلب کو صاف کر کے اپنا وجود بلند کر لیتا ہے
لیکن کائنات کے اس آدم کو زندگی بخشنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ذہن میں تازہ بتازہ اور نو بنو خیالات ابھرتے رہیں۔ مگر انسان کے ضمیر میں کچھ اس قسم کی طراوت سرایت کر گئی ہے کہ وہ روایات میں کھو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا فکر معطل ہو گیا ہے، کیونکہ روایات فرسودہ ہو کر بوسیدہ ہو جاتی ہیں اور ان میں جان نہیں رہتی انسان تفکر اور تعقل کھو بیٹھتا ہے۔ اولیائے کرام کے حصہ میں یہ بات آئی کہ وہ انسان کو نئے نئے خیالات سے جھنجھناتے رہے اور اس کے فکر کو تازگی بخشتے رہے فکر تازہ یا فکر نو کی خصوصیت ہی یہی ہے کہ وہ انسان کو بیدار کرتا رہتا ہے اور جس راہ سے وہ مانوس ہو چکا تھا اس کو فرسودہ ثابت کر دے۔ اور نئی نئی راہیں اس کے سامنے کھولتا چلا جائے۔ چونکہ انسان روایتوں پہ چلنے کا عادی ہو چکا ہے نئی راہوں پر چلنے سے گھبراتا ہے۔ اس لئے ہر نیا فکر اس کو چونکا دیتا ہے اور اس کے قبول کرنے میں اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور اگر وہ اس کو قبول کر لے تو یہی تکلیف اس کو جگانے کا موجب بن جاتی ہے۔

روایۃ کا لفظ رویۃ (روی) سے بنا ہے جس کے معنی نقل کرنے کے ہیں۔ رویۃ ادراک کی ضد ہے اور ادراک فکر سے پیدا ہوتا ہے۔ جوں ہی فکر تازہ کی آمد ہوتی ہے ادراک روشن تر ہوتا چلا جاتا ہے اور رویۃ رفو! انسان بیدار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسلام میں تجدید مذہب اور مجدد کے تخیل کا بھی اصل یہی ہے چنانچہ اولیائے کرام نے تجدید اور احیائے دین میں حصہ لیا۔ انہوں نے اسلام کو ایک نئے انداز میں پیش کر کے اس کی روح کو

تازگی بخش دی۔ یہ انداز کوئی انوکھا نہ تھا بلکہ وہی اصل اسلام تھا جو لوگوں کی نگاہ سے روایات نے پوشیدہ کر دیا تھا۔

تاریخ اقوام اس بات کی شاہد ہے کہ قوموں میں جمود و تعطل اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ سوچنے کی عادی نہیں رہتیں گویا جب غور و فکر ان سے سلب کر لیا جاتا ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ جوں جوں ترقی ہوتی ہے زندگی کی قدریں بھی بدلتی جاتی ہیں۔ ان نئی اور بدلتی ہوئی قدروں کو سامنے رکھ کر جب ایک نئے فکر کی تخلیق کی جاتی ہے تو زندگی جمود سے ہٹ کر حرکت کی طرف رجوع کر آتی ہے۔ حرکت فکر نو سے پیدا ہوتی ہے اور یہی حرکت تازگی حیات بخشتی ہے۔ مگر یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان تمام حقائق کے باوجود انسان فکر نو سے گریز کرتا ہے اور اس کو قبول کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا یہ ہے کہ ہر بات جو اس کی روایات سے ہٹ کر ہے وہ نا قابلِ قبول ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہماری اس تحریر کا بھی یہی انجام ہو! اور فتویٰ لگ جائے کہ یہ رَدّ کر دینے کے قابل ہے۔ تھوڑے سے غور کے بعد ایک صحیح الفہم انسان کو اس میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور دکھائی دے گی۔ یہ رویہ ہماری روحانی ترقی کے لئے بھی مانع ہے۔ فکر نو سے شعور کے مدارج میں بھی ترقی ہوتی ہے۔

جب تک فکر مرکوز نہیں ہوتا اس کی نوعیت تخیّل کی سی رہتی ہے تخیّل کو ڈھیل دے کر چلنے دینا کبھی انسان کو بھٹکا دیتا ہے، چاہئیے کہ اس کی باگ کو پکڑ کر اس پر کنٹرول حاصل کیا جائے، جونہی یہ قابو میں آتا ہے تو مرکوز ہو کر فکر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ سورج کی روشنی چار دعالم میں بغیر کسی رُکاوٹ

کے پھیلی ہوئی ہے مگر جہاں یہ روشنی ہر روز نظر آتی ہے کوئی شخص بھی اس کو محسوس نہیں کرتا۔ مگر جونہی ایک آتشی شیشہ رکھ کر اس کو مرکوز کر لیا جاتا ہے تو یہ آناً فاناً اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اسی طرح اگر تخیل کو قابو میں نہ لایا جائے تو یہ روایات میں پھنسا رہتا ہے اور روز بروز پھنستا چلا جاتا ہے۔ اور یہ روایات رسوم کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جو ان کی انتہائی بری شکل ہے۔ چنانچہ آج کل آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ اسلام رسوم اور روایات کا ایک پلندہ بن کر رہ گیا ہے! مختصر یہ کہ تخیل اور فکر میں یہ فرق ہے کہ تخیل پہ قابو نہیں ہوتا جب تخیل قابو میں آجائے تو فکر بن جاتا ہے۔

انسان کو نئے طریق سے سوچنے میں جو باتیں حائل ہیں ان میں سب سے اہم اس کے منفی جذبات ہیں جو خواہشات نفسانی کے مترادف ہیں اور ان میں سب سے خطرناک منفی جذبہ دروغ گوئی ہے۔ چونکہ ہر انسان جھوٹ بولتا ہے اور یہی سمجھتا ہے کہ وہ نہیں بولتا۔ اس لئے یہ حقیقت اس کو بہت ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ انسان نہ صرف دوسروں کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے بلکہ خود اپنے ساتھ بھی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ یہ سب کچھ جو وہ سوچ رہا ہے سچ ہے! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے تخیل میں کچھ سوچتا ہے اور پھر اس پر یقین کر لیتا ہے اور پھر اس کو بھول بھی جاتا ہے کہ یہ اس کا تخیل تھا! یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ اپنے آپ کو نہ سمجھتے ہوئے بھی کئی ایک نظریے خود اپنے متعلق بنا لیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نظریے جھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر ہم ایسا رویہ اختیار کر لیتے ہیں کہ ہمیں

ہر چیز سیح نظر آتی ہے۔ یہ ایک ایسا منفی جذبہ ہے جس سے فکری صلاحیت تباہ ہو جاتی ہے۔ اخلاقی قدریں اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں۔ خیر و شر کا امتیاز نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ شر ایک اخلاقی کمزوری ہے جو منفی جذبات کے دباؤ کے تحت پیدا ہوتا ہے۔ خیر ایک شعوری فعل ہے۔ شر میکانیکی اور غیر شعوری! ہمارے ذہن میں ان شعوری اور میکانیکی افعال کا امتزاج کچھ اس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ہم ان میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی قدریں زمانہ ملک، قوم اور قبائل کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔ مگر جو چیز نہیں بدلتی وہ انسان کا مافی الضمیر ہے۔ ضمیر کیا ہے؟ یہ ایک قسم کا جذباتی ادراکِ حقائق ہے جو بدلتا نہیں۔ یہ نیک و بد میں تمیز کرتا ہے اگرچہ قدریں ان کی مختلف کیوں نہ ہوں۔ تصوّف ضمیر کا زنگ اتارتا ہے اور اس کو جلا دیتا ہے۔ ولی اس زنگ کو اتارنے میں مدد دیتا ہے

بُرے افعال اچھے افعال یا اعمال کو منسوخ کرتے رہتے ہیں مگر نیکیاں برائیوں کو منسوخ نہیں کرتیں۔ تصوّف کہتا ہے کہ برائیاں اور گناہ استغفار سے دُور ہوتے ہیں۔ مگر استغفار کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مرتبہ گناہ کیا اور استغفار کر لیا اور سمجھ لیا کہ دوبارہ اس گناہ کی تکرار میں استغفار کی ضرورت ہی نہیں! استغفار کا مطلب گناہ سے تائب ہونا ہے اور حتی الوسع ایسے منفی جذبات پہ قابو پانا ہے تاکہ دوبارہ اس سے یہ سرزد نہ ہوں۔ ولی ان راہوں کو متعین کرتا ہے اور بہت بدی کی راہنمائی کرتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ ایسے مقاموں سے کیوں کر

گزرنا ہے۔

فکر نو کو بارآور (FERTELIZE) کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خاموشی اختیار کرے۔ انسان بہت باتیں کرنے کا عادی ہے۔ جہاں باتیں زیادہ ہوتی ہیں وہاں عمل نا پید ہوتا ہے کیونکہ فکر موجود نہیں اور لطف تو یہ ہے کہ جو لوگ باتیں زیادہ کرتے ہیں وہی سمجھتے ہیں کہ ہم باتیں زیادہ نہیں کرتے! خاموشی سے فکر محرک ہوتا ہے اور وجود انسانی میں بلندی آتی ہے اور جوں جوں وجود میں بلندی آتی ہے۔ انسان بیدار ہوتا چلا جاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی اپنے فکر سے بیدار کرتا چلا جاتا ہے۔ یہی کام اولیائے کرام کا ہے، یہ طبقہ بیدار اشخاص کا ہے۔ وہ بیدار لوگ تھے جو اوروں کو بھی بیدار کرتے تھے

ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار؟

خالق کائنات نے جس طریقے سے انسان کو تخلیق کیا ہے۔ اس سے بہتر اسکی تخلیق ہونا ناممکن تھی۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ خالق کائنات اسے بہتر مخلوق کو تخلیق ہی نہیں دے سکتے تھے! حاشا وکلا قرآن کریم خود اس بات کا شاہد ہے کہ اس کائنات میں انسان سے بھی بہتر مخلوق موجود ہے۔ مگر انسان اپنے آپ کو احسن تقویم سمجھ کر اشرف المخلوقات بن بیٹھا ہے۔ احسن تقویم کا مطلب اشرف المخلوقات ہونا نہیں۔ یہ کس قدر بڑا دھوکہ ہے۔ انسان کا دعویٰ علم کے زور پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بہترین جسمانی اور ذہنی ترتیب پر بنا کر نامکمل چھوڑ گیا ہے اور یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ بتدریج اپنے شعور

کو بیدار کر کے اپنے وجود کو بلند کرے اور تکمیل تک پہنچائے۔ اس لئے علم اور وجود کا ارتقا ساتھ ساتھ جاری ہے۔ ادراک اور فکر اس وجود اور علم کے ہمراہ ہیں اور ایک ساتھ ان سب کا نشو و ارتقاء ہو رہا ہے ادراک تفصیل کا متقاضی ہے ظواہر سے متنفر ہے۔ علم عمق کا متلاشی ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے شعور کو بیداری نصیب ہوتی ہے۔ انسان کے اندر اس نشو و نما کی صلاحیت چھوڑ دی گئی ہے اور جب تک انسان کے اندر یہ خاصہ نمودار نہیں ہوتا ہم ایک دوسرے کو بھی نہیں سمجھ سکتے اسی بیداری کے لئے علم محرومہ کو ضروری سمجھا گیا۔ علم محرومہ کو ہم علم باطن بھی کہہ سکتے ہیں اگر اس سے (ESOTERIC KNOWLEDGE) کا مفہوم سمجھ آ جائے۔ اس علم باطن سے علم تصوف پیدا ہوا ہے جس کی تلقین کے لئے اولیائے کرام کا طبقہ وجود میں آیا۔

اب ایک آخری چیز ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ فکر نو کی تخلیق کیوں کر ہوتی ہے۔ مادی دنیا میں کسی بھی تخلیق کے لئے مشین کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کو بھی مشین سے تشبیہ دی گئی ہے مگر انسان مشین نہیں ایک مکمل کارخانہ ہے جس کے اندر سینکڑوں قسم کی مشینیں کام کر رہی ہیں! ہر مشین کے لئے ایک تقسیم کار ہے اور اس میں ہمہ تن مصروف ہے اس کے لئے کوئی لمحہ بھی آسائش کا نہیں۔ یہ مشینیں مختلف رفتاروں سے کام کر رہی ہیں۔ دل کی دھڑکن اس کارخانہ کا گھڑیال ہے جس کی ٹک ٹک سے آپ تمام مشینوں کے کام کی رفتار کا اندازہ لگا سکتے ہیں! ان تمام مشینوں کے

اندر مختلف قسم کے تیل (لعاب) ان کی حرکت میں امداد دے رہے ہیں۔ یہ سب مختلف تیل یا لعاب ایک ہی خون سے پیدا ہو رہے ہیں۔ فتبارک اللہ أحسن الخالقین ۔ اور ہر مشین کی ضرورت کو یہ پورا کئے جا رہے ہیں۔ ان کی دھار سب کو علاحدہ علاحدہ راس آتی جا رہی ہے کہیں کوئی تیل بدلنا نہیں پڑتا خود بخود صاف ہوتا چلا جاتا ہے ثم فتبارک اللہ ۔ کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اپنے اس کارخانہ کی مشینوں سے واقفیت حاصل کرے؟ جب تک وہ ان سے واقف نہ ہوگا وہ ان کا صحیح مصرف نہیں سمجھ سکتا اور ان کو اعتدال پہ نہیں لا سکتا۔ اس کا علم غور و فکر سے پیدا ہوتا ہے اور کچھ مطالعہ سے ۔ اس کو غور و فکر کی نئی راہیں تلاش کرنا ہوں گی پھر وہ ملاحظہ کرے گا کہ ہر مشین ایک نئی صنعت تیار کرتی چلی جاتی ہے۔ جو ایک نئے فکر کی تخلیق کا موجب ہوتی ہے ۔ ان تمام کے مجموعی افکار سے فکر نو تخلیق پاتا ہے جس سے انسان بیدار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بات شاید سمجھنا ذرا مشکل ہو۔ مگر ذاتی مشاہدہ سے یہ راز کھل سکتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ وفی انفسکم افلا تبصرون!

اور یہ جو فکر نو تخلیق پاتا ہے تو یہ انسان کے مختلف مراکز کے مابین ایک رابطہ قائم کر دیتا ہے ۔ جونہی یہ رابطہ یا تعلق قائم ہوا انسان بیدار ہونا شروع ہو جاتا ہے ۔ انسان کو جو چیز سلاتی ہے وہ یہی قطع تعلق ہے ان مراکز کا آپس میں، جونہی منقطع ہوا انسان پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ سو گیا یہ مراکز مختلف قسم کے ہیں مثلاً جذبات کا مرکز، عقل کا مرکز وغیرہ ۔

یہ تمام باتیں جو ہم نے اس وقت (اس مقدمہ میں) تحریر کی ہیں یہ بھی فکرِ نو کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کو قبول کرنے میں کچھ لوگوں کو شاید تردد ہو اور تکلیف بھی مگر چند سال بعد یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ جائزہ حقیقت پر مبنی تھا۔ مگر مسلمان کا ذہن اس وقت تیار نہیں کہ وہ ان باتوں کو قبول کرے۔ الا ماشاء اللہ۔

(اب ہم آخر ا کتاب زیر نظر سے متعلق کچھ اور باتیں لکھ کر اس مقدمہ کو لپیٹ دیں گے۔ کیونکہ ضروری معلوم ہوتا ہے بعض باتیں جو غور طلب ہیں ان کی طرف احباب کی نظر منتقل کروا دی جاوے۔)

(مصنف نے اپنے افتتاحیہ میں علماء، صوفیاء اور حکماء کے قحط کا ذکر کر کے ان کا آپس میں تعلق ظاہر کیا ہے اور بتایا ہے کہ) طبقہ صوفیاء طبقہ علماء کے خلاف ایک احتجاج کے طور پر وجود میں آیا تھا۔ یہ بات سو فی صد صحیح ہے۔ ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث اپنے ایک مضمون میں کی ہے جو "علماء اور حکومت" کے عنوان سے ۱۹۶۲ء میں ندوۃ المصنفین کے مجلّہ شہیرہ برہان میں کئی قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔

(لائق مصنف نے جگہ جگہ اولیاء اللہ کی کشف و کرامات کا ذکر کیا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جس پر خود کبھی صاحب کشف نے زور نہیں دیا۔ اور ہمیں سزاوار نہیں کہ ہم بھی ان کو بے جا اہمیت دیں۔) انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ محیر العقول حادثات کا متلاشی رہتا ہے۔ اس کو ان میں ایک عجیب قسم کی دلچسپی محسوس ہوتی ہے اور وہ ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ مگر یہ کسی کی بیداری کا پیمانہ نہیں اور نہ ہی اولیائے کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب کشف و کرامات ہوں

بلکہ بعض دفعہ تو ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اُن سے کشف صدور کر رہا ہے! بلکہ انتہا یہ ہے کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ولی ہیں! لہذا ایسی باتوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دینا چاہیے اصل بات جو ہے وہ ان کی تعلیمات ہیں اور اگر یہی انسان میں تغیر پیدا کر دیں تو یہ ان کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔

مولوی عبد الحق مرحوم باباۓ اُردو اپنی کتاب" اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" کے اندر رقمطراز ہیں" اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے...... وہ نفس کی چوریاں اس آسانی خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی ..... یہی وجہ ہے کہ علماء و اُمراء بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں.... لیکن حال یہ ہے کہ انہیں مرے صدہا سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا صبح و شام ان کے آستانوں پہ پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر ان کے قدم پڑے تھے وہ اب تک "شریف" اور "مقدس" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں"

قدیم سلسلوں کے متعلق مصنف نے چند نام گنوائے ہیں۔ درحقیقت ان سلاسل تصوّف کی فہرست کو یوں ترتیب دے لینا چاہیے۔

۱۔ علوانیہ	۲۔ ادھمیہ
۳۔ بسطامیہ	۴۔ سقاطیہ

۵۔	قادریہ	۶۔	رفاعیہ
۷۔	سہروردیہ	۸۔	کبرائیہ
۹۔	شاذلیہ	۱۰۔	مسولویہ
۱۱۔	برویہ	۱۲۔	نقشبندیہ
۱۳۔	سعدیہ	۱۴۔	بکتاشیہ
۱۵۔	خلوتیہ	۱۶۔	زینبیہ
۱۷۔	بابیہ	۱۸۔	بہرامیہ
۱۹۔	اشراقیہ	۲۰۔	بکرمیہ
۲۱۔	سنبلیہ	۲۲۔	جلسانیہ
۲۳۔	عقباشیہ	۲۴۔	آمرسانیہ
۲۵۔	جلوتیہ	۲۶۔	اشتاکیہ
۲۷۔	شمسیہ	۲۸۔	سنان امیہ
۲۹۔	نیازیہ	۳۰۔	مرادیہ
۳۱۔	نورالدّینہ	۳۲۔	جمالیہ

لائق مصنّف نے تصوّف اور عشق، خلق و تصوّف کے مباحث کو کچھ خلط کر دیا ہے۔ یہ دونوں پہلو بڑے غور کے متقاضی ہیں اور ان پر بغیر سوچے سمجھے ہر کس و ناکس کو عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ عشق ایک غیر قرآنی بلکہ غیر اسلامی اصطلاح ہے۔ قرآن کریم نے اس کے لئے حُبّ کا لفظ کیا ہے جو بڑا جامع ہے۔ ومن الناس من یتخذ من

دُونَ اللّٰہِ اَنداداً یُحِبُّونَھم کَحُبِّ اللّٰہِ ط
وَالّذِینَ آمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ ط (البقرۃ)

ہمارے فلاسفہ نے مغرب کی تقلید میں عشق کو عقل پر ترجیح دے دی ہے جو عقلاً غلط ہے! مغرب میں REASON AND EMOTION ایک پرانا موضوع ہے جس پر بہت مدّت سے بحث ہوتی چلی آ رہی ہے اور وہاں جو عقل (REASON) پر عشق (EMOTION) کو ترجیح دی گئی ہے یہ سراسر مغربی افلاطونی تخیّل ہے۔ اسلامی تخیّل میں عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اعتدال پر لاتی ہے اور چونکہ اعتدال اسلام کا ایک زرین اصول ہے۔ اس لئے عشق کو عقل پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ تعقل تفکّر اور تدبّر کی تلقین کی گئی ہے۔ کسی جگہ پر بھی تعشق کا پرچار نہیں!

اسی طرح مصنّف نے افتتاحیہ میں فرمایا ہے کہ "سیرت کی باطنی خصوصیت کا نام خلق ہے" اور "تصوف رسُوم اور علوم کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق کا نام ہے" درحقیقت اخلاق، خَلق اور خُلق سے ماخذ ہے! خَلق کے معنیٰ خارجی تعمیر کے ہیں اور خُلق داخلی تعمیر کا نام ہے گویا اخلاق سر تا سر ایک تعمیری چیز ہے۔ اور تصوّف اس بات کا متقاضی ہے کہ سیرت انسانی کو تخریب سے بچائے تا کہ فساد برپا نہ ہو یہی روحانی اور مادی تربیت ہے جس کی تصوف تعلیم دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ اخلاق تعمیرِ سیرت کا نام ہے۔

مجموعی طور پر تذکرہ اولیائے لاہور بڑی عمدہ کتاب ہے اور اس

قابل ہے کہ ہر ذوق سلیم رکھنے والے اصحاب کے مطالعے سے گزرے
اللہ تعالیٰ مولانا محمد وارث کامل کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔ (آمین)

مخلص
عبدالرشید عفی اللہ عنہ

۲۱ اپریل ۱۹۶۳ء

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No:______
★ MAILSI ★

ام جھنڈیر

23 FEB 2021